اسلامی حکومت میں ملازموں کے حقوق و فرائض

(پروفیسر لبیب السعید مصری)

اسلامی حکومت میں کارکنانِ حکومت اور سرکاری عہدیداروں کے فرائض و واجبات اور اوصاف و آداب معلوم کرنے کے لیے جب ہم اسلامی لٹریچر کی ورق گردانی کرتے ہیں تو اس بارے میں ہمیں معلومات کا اس قدر وسیع اور تفصیلی ذخیرہ دستیاب ہوتا ہے کہ اس مسئلے کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہتا جس میں صاحبِ تحقیق کو تشنگی محسوس ہوتی ہو۔ البتہ یہ ذخیرہ یکجا اور مرتّب شکل میں نہیں ہے اس لیے اس میدان میں تحقیق و طلب کے لیے اترنے والے کو مختلف کتابوں کی ورق گردانی اور مختلف گلستانوں سے گل چینی کرنی پڑتی ہے۔ یہ ذخیرہ اپنے دامن میں صحت مند اور مستحکم و مربوط ایڈمنسٹریشن کے ایسے حکیمانہ اور مصلحت آمیز عجائب و نوادر رکھتا ہے کہ اس کے مقابلے میں جدید ترقی یافتہ ادارہ ہائے حکومت حد درجہ ناقص اور نارسا معلوم ہوتے ہیں۔ جب ہم اسلامی نظام کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس مطالبے کے ساتھ ہمیں یہ ضرورت بھی دامن گیر ہوتی ہے کہ اسلام کے سروس سسٹم اور حکومت کے نظم و نسق کے محاسن و امتیازات سے بھی عوام کو روشناس کرائیں تاکہ انھیں غیر اسلامی نظامِ حکمرانی اور اسلامی نظامِ حکومت میں تقابل کرنے میں آسانی رہے۔ زیرِ نظر مضمون اسی غرض کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ اپنے موضوع پر حرفِ آخر نہیں ہے تاہم اس خاکے سے اِس موضوع کے خدّ و خال کسی قدر معلوم کیے جا سکتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ میں اسلامی ریاست کا سنگِ بنیاد رکھا تو اس کے قیام کے ساتھ ہی ایک ایسا نظامِ عمل وجود میں آگیا جس کا بارِ امانت اٹھانے کے لیے خدا ترس، دیانت دار اور احساسِ ذمہ داری رکھنے والے کارکنوں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ مختصر سے مختصر جماعت اور چھوٹی سے چھوٹی اجتماعی مہم کے لیے بھی اپنا امیر اور سربراہ منتخب کریں۔ اس طرح آپؐ نے نہایت حکیمانہ طریقے سے چھوٹے چھوٹے اجتماعی کاموں میں نظم و ضبط کی تلقین

فرما کر بڑے پیمانے پر ہونے والے اجتماعی کاموں میں نظم و نسق اور جماعتی شیرازہ بندی کی ضرورت اور اہمیت واضح کر دی[1]۔ اور اسلامی ریاست کے لیے موزوں و مطلوب کارکنوں کی تربیت کا دائمی انتظام کر دیا۔ مدینہ میں تمام معاملات کی سربراہ کاری اور رہنمائی اپنے ہاتھ میں لے لی اور مدینہ کے باہر دور و نزدیک کے مقامات پر اپنی جانب سے عُمّال و والیان کا تقرر کیا۔ جنگی مہم درپیش ہوئی تو فوج کے لیے سپہ سالار نامزد کیے۔ زکوٰۃ و صدقات کی جمع و تقسیم کے لیے محصلین اور عاملین کا بندوبست کیا[2]۔

موجودہ حکومتوں کے صیغہ ہائے نظم و نسق جن کا عرب کی قدیم دنیا میں ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے، مدینہ کی اسلامی حکومت میں اُن میں سے بیشتر کا وجود ہمیں ملتا ہے۔ چونکہ موجودہ ترقی یافتہ حکومت کی حکمانہ اصطلاحات اُس وقت رائج نہ تھیں۔ اِس لیے اِن اصطلاحات (TERMS) سے اُس وقت کے محکمے موسوم نہ تھے مگر عملاً یہ صیغہ جاتی نظام اپنے سادہ و مختصر اور ابتدائی رنگ میں موجود تھا۔ خود عہدِ نبوت میں ہم کو وزارت اور سررشتۂ کار کی متعدد صورتیں اور سفارت و قضا کے مناصب کا وجود ملتا ہے۔ کارپردازانِ حکومت میں سے مطالباتِ حکومت وصول کرنے والے، محافظینِ امنِ عامہ، اربابِ تعلیم و صحت، مالیات و جنگی امور کے ذمّہ دار، غنائم اور اموالِ فَے کے منتظمین اور ترجمانِ حکومت وغیرہ کے عُہدے ملتے ہیں بلکہ بعض ایسے مناصب بھی ملتے ہیں جو مزاج و ضرورت کے لحاظ سے ترقی یافتہ اور متمدّن گورنمنٹ سے مختص ہیں جیسے پرائیویٹ سیکرٹری اور افسرِ استقبال کے منصب[3]۔

لیکن جیسا کہ مَیں اُوپر گذارش کر آیا ہوں ان اعمال و مناصب کی اصطلاحات کے وہ لباس نہ تھے جو آج رائج ہیں اور نہ تصنّع اور شکوہ و طمطراق کے وہ مناظر نظر آتے ہیں جو دورِ حاضر کی حکومتوں کا خاصہ قرار پا چکے ہیں۔

اسلام میں سرکاری منصب کا تصوّر اور اس کے تقاضے | اسلام سرکاری ملازمت اور عہدیداری کو حصولِ جاہ و منزلت، منفعت جوئی اور کسبِ دنیا کا ذریعہ نہیں قرار دیتا بلکہ اسے ایک ناگوار تکلیف اور امت کی

---

[1] الحسبۃ فی الاسلام - ابن تیمیہ ص ۵ ۔ [2] ایضاً ص ۱۸ [3] التراتیب الاداریہ، محمد الکتّانی (رباط، مراکش) ج ۱ ص ۳، ۴۰، ۸۰، ج ۲ ص ۱۴۴

پاسبانی کی کٹھن اور زہرہ گداز ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ جو شخص اس ذمہ داری کو اپنی پُشت پر لا دیتا ہے اور پھر اُس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بجائے اطمینان سے گھر بیٹھ رہتا ہے یا تغافل برتتا ہے وہ خدا کی نگاہ میں مبغوض ٹھہرتا ہے اور قیامت کے روز اہلِ جنت کے زمرے میں اُس کا کوئی مقام نہیں ہوگا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مامن امیریلی امر المسلمین ثم لا یجھد لھم وینصح الا لم یدخل الجنة معھم	جو شخص مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار بنایا جائے پھر نہ تو وہ اُن کے لیے دوڑ دھوپ کرے اور نہ اُن کی خیر خواہی کرے وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اسلام کا تقاضا صرف یہ نہیں کہ اس ذمہ داری کو پوری سرگرمی اور بے نفسی سے ادا کیا جائے بلکہ کارکنانِ حکومت سے اسلام یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ رعایا اور ماتحتوں کے ساتھ نرمی، دلداری اور شفقت و محبت کا برتاؤ کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے رحم حکام کے بارے میں فرمایا ہے: اِنّ شرّ الرعاء الحُطَمَة[1] (بدترین حاکم حطمہ ہے) حطمہ کے معنی ہیں پامال کرنے والا یعنی ایسا سنگدل اور سخت گیر حاکم جو رعایا کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی سے معاملہ کرنے کے بجائے درشت مزاجی اور تند خوئی کا رویہ اختیار کرتا ہے اور ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرنے کے بجائے اسے پامال کرتا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیکدل اور مشفق حاکم کے حق میں اللہ سے مہربانی کی دُعا کی ہے وہاں سخت گیر اور بدخواہ حاکم کے لیے بددُعا کی ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

اللھم من ولی من امر امتی شیئا فشق علیھم فاشفق علیہ، ومن ولی من امر امتی شیئا فرفق بھم فارفق بہ[2]	اے اللہ! جو شخص میری امت کے لوگوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار بنایا جائے اور وہ ان کو مشقت میں ڈالے تو تو بھی اُسے مشقت میں ڈال، اور جو ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے تو بھی اُس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کر۔

ایک اور روایت میں رعیت کی بدخواہی اور حق تلفی کو ایسا سخت جرم بتایا گیا ہے، جو قیامت کے

---

[1] ، [2] صحیح مسلم،

روز حکمران کو جنت سے محروم اور اللہ کے غضب کا مستحق قرار دینے کے لیے کافی ہیں:

مامن عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ یموت یوم یموت وھو غاش لرعیتہ الا حرم اللہ علیہ الجنۃ۔	جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کا چرواہا (حاکم) بنایا اور وہ اس حال میں مرا کہ اس نے لوگوں کی بدخواہی کی ہے تو اللہ تعالیٰ اُس پر جنت حرام کر دیگا۔

اس کے بالمقابل جو حکام اعتدال پسندی، انصاف پروری اور شفقت سے معاملات کو انجام دیتے ہیں، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کی جو عزت افزائی کرے گا اور علوِ مرتبت سے نوازے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے:

ان المقسطین عند اللہ علی منابر من نور عن یمین الرحمان عزوجل، وکلتا یدیہ یمین الذین یعدلون فی حکمھم و اھلیھم وما ولوا[۲]	عدل و انصاف کرنے والے امراء و حکام نور کے منبروں پر اللہ تعالیٰ کے داہنے بیٹھے ہوں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل و عیال میں اور اپنے دائرۂ اقتدار میں انصاف کرتے رہے۔

ذمہ داریوں کی اسی نزاکت اور گرانباری کے پیشِ نظر اسلام ایسے لوگوں کو مناصبِ حکومت سے محترز رہنے اور ان سے دامن کش رہنے کی ترغیب دیتا ہے جو اپنے اندر ان کے بارِ گراں کو اٹھانے کی سکت نہ پاتے ہوں یا ان کو کماحقہٗ ادا کرنے سے قاصر رہیں۔ ایسے لوگوں کو اسلام پکار پکار کر کہتا ہے کہ جو لوگ حکومت کے عہدوں کو اہلیت و استحقاق کے بغیر حاصل کرتے ہیں اور پھر اُن سے کماحقہٗ عہدہ برآ نہیں ہوتے وہ خائن ہیں اور قیامت کے روز یہی عہدے اُن کے لیے رسوائی اور ندامت کا باعث ہوں گے[۳]۔ دوسری طرف اسلام یہ ترغیب بھی دیتا ہے کہ جو باہمت ان ذمہ داریوں کی دشوار گھاٹیوں کو عبور کرنے کی قدرت رکھتے ہوں اور اُن میں وہ شرائط پائی جاتی ہوں، جو ان ذمہ داریوں کی بجا آوری کے لیے مطلوب ہیں تو یہ اُنہی کو تفویض کی جائیں۔ ایسی صورت میں یہی منصب تقرب الی اللہ کا ذریعہ بن جاتا ہے اور جو اسے ہمت کی آخری حد تک ادا کرنے کی کوشش کرتے

[۱] ، [۲] ، [۳] صحیح مسلم

ہیں، اللہ کے نزدیک اُن کی یہ کوشش افضل الاعمال اور بزرگ ترین نیکی شمار ہوتی ہے[1]۔

الاَمثَل فَالاَمثَل کا اصول | کارکنوں کے تقرر و انتخاب میں اسلامی حکومت "الامثل فالامثل" کا اصول اختیار کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ موجود ہوں اُن میں سے بہتر سے بہتر اور اہل تر کو ترجیح دی جائے گی جو اس اصول سے انحراف کرتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا معیار انتخاب اختیار کرتا ہے اسلام اُسے اسلامی ریاست سے غداری اور خیانت عظمیٰ تصور کرتا ہے۔ ذیل کا قول جو غالباً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے، اس امر کی صراحت ملتی ہے:

من قلّد رجلا علی عصابۃ وھو یجد فی تلک العصابۃ من ھو ارضی منہ فقد خان اللہ و رسولہ وخان المومنین[2]۔

جس نے مسلمانوں کے کسی گروہ پر ایسے شخص کو سربراہ کار بنا دیا کہ اس گروہ میں اس سے زیادہ بہتر شخص موجود تھا اُس نے اللہ سے، اس کے رسولؐ سے اور عام مسلمانوں سے غداری کی۔

اسلامی نظامِ حکومت کا ایک خاصہ یہ ہے کہ اس میں ریاست کے کارفرماؤں اور کارپردازوں کے سامنے خوب و ناخوب کے جو پیمانے رکھے جاتے ہیں اور سعادت و شقاوت کے جو معیارات قائم کیے جاتے ہیں، ان میں بنیادی تصور حاکمِ اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کی رضا جوئی اور فلاحِ آخرت اور حاکمِ اعلیٰ کی رعیت کی بہبودی ہوتا ہے۔ یہ تصور بڑے سے بڑے عہدیدار سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے اہل کار تک کی کارگزاریوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور فی الجملہ رعیت کے حق میں اس کے بڑے مفید اور خوش کن نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ایک مکتوب میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کو اسی بنیادی مقصد کی جانب توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان اسعد الرعاۃ عند اللہ من سعدت بہ رعیتہ، وان اشقی الرعاۃ من شقیت

سب سے زیادہ خوش قسمت حاکم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جس سے خدا کی خدائی خوشحال ہو اور سب سے

---

[1] الحسبۃ فی الاسلام، ابن تیمیہ ص ۶ [2] ایضاً ص ۸

بہ رعیتہ[1] زیادہ بدبخت حاکم وہ ہے جس کے سبب سے اللہ کی رعایا بدحال ہو۔

آگے چل کر فرماتے ہیں: "یاد رکھو کہ حاکم کو ایک دن اللہ کے روبرو حاضر ہونا ہے۔ اگر حاکم کجروی اختیار کرے گا تو رعایا بھی کج روی پر اتر آئے گی اور اس کا وبال حاکم کے سر ہوگا" اسلامی نظامِ حکومت ہی نہیں بلکہ ہر نظامِ حکومت کی کامیابی اور مضبوطی کارکنانِ حکومت کی عدل گستری اور انصاف پروری پر موقوف ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ عادل حکومت کی مدد کرتا ہے خواہ وہ کافر ہی ہو، اور ظالم حکومت کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے خواہ وہ مسلم ہی ہو[2]"

کارکنانِ حکومت کے آداب و آئین حکومت کے عمّال و حکّام سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ کارکن میں جن آداب و خصائل کا پایا جانا ضروری ہے، اُس کی تفصیل ہم علامہ القلقشندی کی زبان سے نقل کرتے ہیں یہ تفصیل علامہ القلقشندی نے کاتب (دبیر) کے آداب میں بیان کی ہے۔ لیکن آدابِ کاتب میں جو کچھ اُس نے ذکر کیا ہے درحقیقت اُس کا نمونہ ہر عہدیدار اور ہر کارکن کو ہونا چاہیے۔

"اپنے اختیارات اور ذمہ داریوں میں بے لوث اور بے غرض رہے۔ مذموم خواہشات اور کمینہ طریقوں سے محترز رہے۔ نوائے دلگداز اور دلِ دردمند رکھتا ہو۔ حرص و ہوا کے پاس نہ پھٹکے۔ ناپاک لقموں اور ناجائز نفع اندوزیوں سے بالا رہے ۔۔۔ یہ روش اُسے اللہ کے تقرب سے بھی بہرہ مند کرے گی اور حکومت کی نگاہ میں بھی محترم کرے گی ۔۔۔ عام شہریوں کے ساتھ اُسے خوش معاملگی اور حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرنا چاہیے جو ملازم ان پاک طریقوں کی پابندی کرتے ہیں اُن کے لیے ترقی اور کامیابی کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ انہی طریقوں سے کم تعلیم والے بڑے بڑے مناصب تک پہنچے اور ایسے لوگوں پر انھیں برتری حاصل ہوگئی جو قابلیت اور فہم و فراست میں اُن سے بدرجہا زیادہ بلند تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دنیاوی طور پر بھی انھیں مال و دولت سے نوازا۔ قوم کے اندر انھیں قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ انہی خوبیوں نے دُور والوں کو

---

[1] کتاب الخراج ابو یوسف ۔ [2] الحسبۃ فی الاسلام

کو قریب کر دیا اور ان سے عاری لوگوں کو قرب کے باوجود دُور پھینک دیا۔ ان کو اختیار کرے جو کچھ نہ تھے وہ سب کچھ ہو گئے اور ان کو چھوڑ کر جو لاکھ تھے وہ خاک بھی نہ رہے[1]۔"

احتساب کا نظام | اسلامی حکومت میں احتساب یعنی ملازمین کی کارگزاریوں کا جائزہ اور ان کی کوتاہیوں اور زیادتیوں کا مواخذہ ان فرائض میں سے جن سے غفلت اور تساہل کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ اوّلاً تو اسلام ہر مسلمان کے دل میں خواہ وہ حکومت کا کارکن ہو یا عام شہری ہو، دائمی احتساب و بازپرس کرنے والی ایک ایسی باجبروت اور علیم بذات الصدور ہستی کا تصور بٹھا دیتا ہے کہ اس تصور کے ہوتے ہوئے کوئی شخص کسی وقت بھی خیانت و بدعہدی کا خیال بھی نہیں کر سکتا خواہ اُسے کتنے مفید اور محفوظ مواقع میسر آتے ہوں اور ثانیاً وہ ریاست کے ذمہ داران و عمائد کے فرائض میں یہ شامل کرتا ہے کہ وہ عمال و حکام کے تقرر کے بعد اُن کے اعمال و اشغال کا برابر محاسبہ کرتے رہیں اور ان کی پرائیویٹ زندگی اور پبلک زندگی کا جائزہ لیتے رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ملک کے دُور دراز حصوں میں رہنے والے عمال اور شہریوں کے بارے میں بھی انکو اتنی ہی وسیع معلومات ہوتی تھیں جتنی اُس شخص کے بارے میں ہوتی تھیں جس نے اُن کے ساتھ ایک بستر پر اور ایک تکیے پر رات گذاری ہو۔ ملک کا کوئی حصہ اور کوئی گوشہ اور ریاست کا کوئی عامل اور فوج کا کوئی سپہ سالار ایسا نہ تھا جس پر اُن کی کڑی نگاہ نہ ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ ملک کے مشرقی کنارے سے لے کر مغربی کنارے تک رہنے والوں کی باتیں صبح و شام اُن تک پہنچتی رہتی تھیں[2]۔

موجودہ حکومتیں ملازمین حکومت کی پرائیویٹ زندگی کو اپنے دائرۂ احتساب سے خارج سمجھتی ہیں لیکن اسلامی ریاست میں بڑے سے بڑے عہدیدار بھی اپنے خالص ذاتی تصرفات میں جو حکومت کی نگاہ میں قابل اعتراض ہوں، حکومت کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ حذیفہ بن الیمان نے ایک غیر عرب عورت سے شادی کر لی۔ حضرت عمرؓ کے علم میں جب یہ بات آئی تو انھوں نے حذیفہ کو حکم دیا کہ اس عورت کو طلاق دے دو اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ "عجمی عورتوں میں دلکشی پائی جاتی ہے۔ اگر تم لوگ ان کی طرف لپک

---

[1] صبح الاعشیٰ جلد اول ص ۱۷ [2] التاج المنسوب للجاحظ ص ۱۶۸

گئے تو یہ تمہیں عربی عورتوں پر جابر بنا دیں گی"[۱۱]

جو حکومت کا کارکن اپنے ایمان و ضمیر کے تقاضوں کو پامال کرتا ہے اور اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داریوں سے اپنے نفس کو کھلی چھٹی دے دیتا ہے اُس پر "نا اہل" کے ریمارکس دے کر سبکدوش نہیں کر دیا جاتا، بلکہ تمام سابقہ کارگزاریوں کی اُسے جوابدہی کرنی پڑے گی۔ اپنی کوتاہیوں کا پائی پائی حساب دینا ہوگا۔ اور اس کے بعد اُسے ایسی قرار واقعی سزا دی جائے گی جو اُس کے ابنائے جنس کی آنکھوں کو کھول دینے کے لیے کافی ہو۔ سلطنت عباسیہ کے چیف جسٹس امام ابو یوسف رحمہ اللہ خلیفہ ہارون الرشید کو ایک نامے میں ہدایت کرتے ہیں:

"بہتر یہ ہے کہ آپ نیکوکار، پاکیزہ دامن اور قابل اعتماد افراد پر مشتمل ایک پارٹی ملک میں بھیجیں جو شہروں اور قریوں میں جا کر عمّالِ ریاست اور ان کی کارگزاریوں کی تفتیش کرے ...
.... پھر جب آپ کو کسی گورنر یا افسر کے بارے میں یہ اطمینان ہو جائے کہ وہ ظلم و تعدی اور دست درازیاں کرتا ہے، رعایا کی دیکھ بھال کے بارے میں آپ کے ساتھ بدعہدی کرتا ہے، سرکاری اموال کا غبن کرتا ہے یا حرام خوری پر اُتر آیا ہے یا اُس کے چال چلن میں خرابی پیدا ہو گئی ہے تو اس کے بعد آپ کے لیے اُس گورنر یا افسر کو استعمال کرنا، رعیت کے کسی کام کا ذمہ دار بنانا یا اُسے امورِ مملکت میں شریک کرنا حرام ہے۔ بلکہ ایسے بدطینت شخص کو آپ کیفرِ کردار تک پہنچائیں اور اسے ایسی سخت سزا دیں کہ وہ سرے جو ابھی تک ان خرابیوں سے ملوث نہیں ہوئے ہیں، اُسے دیکھ کر عبرت پذیر ہوں، البتہ مظلوم اور بے گناہ کی آہوں سے آپ بچتے رہیں۔ ان کی دعائیں بارگاہ ایزدی میں مستجاب و مقبول ہیں[۱۲]"

یہ بھی ضروری ہے کہ ملازمین اور کارندوں کے متعلق حکومت کے پاس جو رپورٹیں آئیں، وہ نہایت صحیح، حقیقت کا آئینہ اور اعتدال پسندانہ ہوں۔ قاضی ابو یوسف اس سلسلے میں بھی ہارون رشید

---

[۱۱] الطبری جلد ۴ ص ۷۴ — [۱۲] الخراج، ابو یوسف ص ۱۰۷

کو تاکید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

"ہو سکتا ہے کہ رپورٹ دینے والے پبلک کے خلاف عمّال سے ساز باز کریں۔ اور عمّال کی بد معاملگیوں پر پردہ پوشی کریں۔ یا اس کے برعکس عمّال اور حکام سے بگڑ جائیں اور ان پر خلاف واقعہ الزامات لگا دیں۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ آپ ہر شہر اور ہر علاقے میں سے عادل اور ثقہ لوگوں کو ڈھونڈیں اور خبر رسانی اور اطلاعات کا کام ان کے سپرد کریں . . . . اور آپ انہیں پیشگی متنبہ کر دیں کہ وہ رعیت کی کسی بات کو یا حکام کے کسی فعل کو آپ سے چھپا کر نہ رکھیں اور جو رپورٹیں آپ تک پہنچائیں اُن میں کسی قسم کی مبالغہ آرائی نہ ہو۔ اس کے بعد جو آپ کی ہدایات پر عمل نہ کریں اُنھیں کیے کا مزہ چکھائیں۔ جب تک علاقوں میں اطلاعات بہم پہنچانے والے اور خبر رساں معتمد علیہ اور صادق القول لوگ نہ ہوں، کسی قاضی یا کسی حاکم کے بارے میں موصول ہونے والی رپورٹ پر صاد کرنا درست نہیں ہے[1] "

آزادیٔ رائے | اسلام کارکنانِ حکومت پر ہر طرح کی پابندیاں عائد کرنے کے باوجود انھیں یہ اجازت بھی دیتا ہے کہ وہ جس بات کو بہتر سمجھیں اُسے اختیار کریں۔ ان کی اپنی رائے کو اس حد تک سلب نہیں کرتا کہ وہ محض ایک حکومت کی مشینری کا بے جان پرزہ بن کر رہ جائیں۔ موجودہ حکومتیں اپنے ملازمین اور کارکنوں کے اندر جو غلامانہ ذہنیت اور بندۂ حکم بن جانے کا مزاج پیدا کرتی ہیں اس کی بنا پر کوئی کارکن یہ اپنے وہم و خیال میں بھی نہیں لا سکتا کہ وہ اگر افسرِ اعلیٰ کے کسی حکم کو خلاف مصلحت اور غیر مناسب سمجھے تو اس کی تعمیل سے رُک جائے۔ لیکن اسلامی دورِ حکومت میں ہمیں متعدد ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ اوپر سے ایک حکم نافذ ہوتا ہے جسے کارکن بہتر اور مقصدِ اعلیٰ کے منافی تصور کرتا ہے تو اس کی تعمیل سے ہاتھ روک لیتا ہے۔ زیاد نے ایک بار حکم بن عمرو غفاری کو لکھا کہ امیر المومنین معاویہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کے لیے سونا اور چاندی جمع کروں لہٰذا تم لوگوں میں سونا اور چاندی تقسیم نہ کرو اس کے ماسوا جو چاہو تقسیم کرو۔ حکم بن عمرو نے جواب دیا : امیر المومنین کے حکم سے

---

[1] الخراج، ابو یوسف ص ۱۱۴، ۱۱۵

پہلے میرے پاس اللہ کا حکم موجود ہے۔ بخدا! اگر کسی بندے پر زمین و آسمان کے دروازے بند ہو جائیں لیکن وہ اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ پیدا کر دے گا" یہ کہہ کر انھوں نے لوگوں کو بلایا اور تمام مال بمع سونا و چاندی تقسیم کر دیا[1]۔

اطاعت کے حدود شہریوں کے لیے امراء و حکام کی اطاعت کے معاملے میں اسلام نے جو شرائط اور حدود متعین کی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی اطاعت صرف امرِ معروف میں ہوگی اور اگر وہ منکرات کا حکم دیں یا خلافِ شریعت باتوں پر لوگوں کو مجبور کریں تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اُن کی اِن باتوں پر نکیر کریں، ان سے کھلم کھلا بیزاری کا اظہار کریں، اور صرف امرِ حق کی حمایت کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "ستكون امراء فتعرفون و تنكرون، فمن كره برئ و من انكر سلم و لكن من رضي و تابع[2]" (عنقریب تمہارے اندر سے ایسے امراء ظاہر ہوں گے جن کی طرف تم معروف اور منکر دونوں طرح کی باتیں دیکھو گے، سو جس نے منکر کو منکر سمجھا وہ تو بری ہوا اور جس نے اُس کی مخالفت کی وہ سلامت رہا لیکن (عقوبت اور گناہ اس پر ہے) جو اس پر راضی ہوا اور اس کی پیروی کی)۔ ایک دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم حکام کا ساتھ دینے والے اور ان سے تعاون کرنے والے سے صاف صاف برأت کا اظہار فرمایا۔ من صدقهم بكذبهم و اعانهم على ظلمهم فليس مني و لست منه و لا يرد على الحوض[3] (جس نے ان کے جھوٹ کی تائید کی اور ان کے مظالم میں اُن کا ساتھ دیا۔ اُس کا مجھ سے اور میرا اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ وہ حوضِ کوثر پر میرے پاس آسکے گا)۔

منصب کا غلط استعمال حکومت کے ملازمین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے منصب کو لوگوں پر دھاک بٹھانے اور اپنے رعب و دبدبے کی نمائش کرنے کا ذریعہ بنائیں۔ یا عہدے و اختیارات کے بل بوتے پر لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیں۔ اسلامی حکومت میں منصب فخر و غرور کی چیز نہیں بلکہ خدمت گذاری کا وسیلہ ہے۔ اس کی ذمہ داریوں کے بار سے گردن جھک جانی چاہیے نہ کہ

---

[1] و [2] مسلم

الٹی گردن اکڑ جائے۔ اور رعیت کی خدمت کے بجائے اُس کے لیے عذاب کا پیغام بن جائے۔ حضرت علیؓ اپنے ایک عامل کو لکھتے ہیں: "تو لوگوں کے ساتھ عجز و انکساری سے پیش آ، اُن سے نرمی کا رویہ اختیار کر۔ اور اپنے سلام و کلام میں اور مشوروں اور گفتگوؤں میں اُن کے برابر رہ۔ بڑے اور با اثر لوگ تجھ سے ناانصافی کی توقع نہ باندھیں اور کمزور تیرے عدل سے ناامید نہ ہوں۔"[1]

اسلامی حکومت اپنے شہریوں کے ساتھ جس حُسنِ التفات، خبر گیری اور دیکھ بھال کے احساسات رکھتی ہے، اُن کی بنا پر وہ سربراہ کاروں اور نظم و نسق کے منتولیوں پر یہ فرض عائد کرتی ہے کہ وہ خود جا جا کر لوگوں کی ضروریات دریافت کریں اور انھیں بروقت مہیا کریں اور اس فرض کی بجا آوری میں کسی شخص کا دون حیثیت اور عامی ہونا آڑے نہ آئے۔ بلکہ اُن کی نگاہ میں کمین و شریف دونوں کا مقام و اہمیت یکساں ہو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ابلغونی حاجۃ من لا یستطیع ابلاغھا فانہ من ابلغ سلطانہ حاجۃ من لا یستطیع ابلاغھا ثبت اللہ قدمیہ یوم القیامۃ۔[2]	جو لوگ اپنی ضروریات مجھ تک نہیں پہنچا سکتے، تم لوگ خود ان کی ضروریات مجھ تک پہنچاؤ۔ جو حکومت کو حاجتمند افراد کی ضروریات سے آگاہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز (جب لوگوں کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے) اُسے ثابت قدمی بخشے گا۔

اسی احساس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا: اگر میں زندہ رہا تو تمام ملک کا دورہ کروں گا۔ اور رعایا کے حالات معلوم کروں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ لوگوں کی بعض ضروریات ایسی ہیں جو مجھ تک پہنچ نہیں پاتیں۔ لوگ خود مجھ تک آ نہیں سکتے اور عُمّال اُن کی ضروریات کو میرے علم میں نہیں لاتے۔[3]

---

[1] نہج البلاغہ، شریف رضی ج ۲ ص ۵۴

[2] التراتیب الاداریہ، الکتانی

[3] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی حدید

وظائف اور تنخواہیں تنخواہوں اور وظیفوں کے معاملے میں اسلامی حکومت ہر کارکن کی ضروریاتِ زندگی کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتی ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب فئے کا مال آتا تو آپ اُسی وقت تقسیم فرما دیتے۔ اہل وعیال والے کو دو حصے اور مجرّد کو ایک حصہ دیتے[1]۔ تنخواہ میں اضافے کا موجب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدمت گزار اپنے فرائض میں قابلیت اور محنت و مہارت کا ثبوت دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عمل ماثور ہے کہ آپ نے ایک کارکن کے بارے میں، جس نے بعض مواقع پر اپنے کام کو بڑی عمدگی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا تھا۔ بعد میں آنے والے امراء کو اُس سے خیر خواہی کی وصیت کی۔ بلکہ آپ نے اُسے اپنی ایک تحریر بھی مہر لگا کر دے دی تھی۔ طبقات ابن سعد کے بیان کی رُو سے وہ شخص حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک زندہ رہا اور اس پورے عرصہ میں خلفاء سے مختلف چیزیں وصول کرتا رہا[2]۔ معاشی اور اقتصادی ضروریات ایسی ہیں جن سے بہر حال اسلامی حکومت اپنے کارکنوں اور کارپردازوں کو بالکل فارغ البال اور یکسو کر دینے کا اصول رکھتی ہے، تاکہ وہ سرکاری خدمات کو سکونِ خاطر، اطمینانِ قلب اور بے لوث طریقے سے انجام دیتے رہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی فلسفے کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے ایک عامل کو حکم دیا تھا کہ سرکاری کارکنوں کو پورے معاوضے دیئے جائیں کیونکہ:

فان ذلك قوة لهم على استصلاح انفسهم وغنى لهم عن تناول ما تحت ايديهم وحجة عليهم ان خالفوا امرك او ثلموا امانتك[3]۔	یہ چیز کارکنوں کو راست باز، نیک نفس رکھنے میں مدد دے گی، اور انہیں سرکاری اموال پر دست درازی کرنے سے بے نیاز کر دیگی۔ اور اگر اس کے بعد وہ تیرے حکم کی خلاف ورزی کریں گے یا تیری امانت میں خیانت کریں گے تو تیری طرف سے اُن پر حجت قائم ہو جائے گی

حضرت عمر بن عبدالعزیز پر ایک بار یہ اعتراض کیا گیا کہ آپ اپنے عمّال کو سو سو دو دو سو دینار بلکہ اس سے بھی زیادہ ماہانہ تنخواہیں دیتے ہیں؟"۔ خلیفہ راشد نے جواب دیا:" اگر یہ لوگ اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم

[1] الادارۃ الاسلامیہ، کرد علی ص ۱۷۸ [2] التراتیب الاداریہ، کتانی [3] الادارۃ الاسلامیہ ص ۶۰

کی سنت پر عامل رہیں تو میں یہ معاوضے بھی ان کے لیے معمولی سمجھتا ہوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ غم روزگار سے ان کو بالکل فارغ البال کر دوں[1]۔"

کارکنوں کے معاوضے مسلمانوں کے بیت المال سے جاری کیے جائیں گے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ہارون رشید نے ایک بار قاضی ابو یوسفؒ سے دریافت کیا تھا کہ "کیا قاضی کو میراث کے مال میں سے وظیفہ ملے گا؟" قاضی ابو یوسف نے جواب دیا: "نہیں، اُسے بھی مسلمانوں کے بیت المال سے وظیفہ دیا جائے گا۔"

صلہ اور پنشن اسلامی حکومت میں خدمت گذاروں کو عمدہ کارکردگیوں کے صلے دینے اور فراغت کے بعد انھیں پنشن دینے کی مثالیں بھی سیرت و تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ صلہ دینے کے بارے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اس کی متعدد نظیریں حدیث و آثار کے ذخیرے میں موجود ہیں۔ آپ نے ہمدان کے ایک شخص قیس بن مالک الارجی کو اس کی قوم پر جس میں عرب بھی تھے اور آزاد کردہ غلام بھی تھے، عامل مقرر کیا تو آپ نے اس کا وظیفہ جاری کیا اور اس کے علاوہ اُسے مستقل طور پر دو سو صاع سالانہ نسار کی نکی کے اور دو سو صاع سالانہ خیوان کے انجیر بطور صلہ عطا کیے۔ آپ کا یہ عطیہ نہ صرف حین حیات اسے ملتا رہا بلکہ مرنے کے بعد اس کے ورثاء بھی اُسے ہمیشہ وصول کرتے رہے[2]۔

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ ایسے یتیم اور لاوارث بچے اُن کے علم میں لائے جائیں جن کے باپ حکومت کے تنخواہ دار تھے۔ جب آپ کو ایسے افراد کی فہرست پہنچی تو آپ نے ان میں سے پانچ پانچ کو ایک خدمتگار دیا، اور ان میں جو غیر شادی شدہ لڑکیاں تھیں اُن کے لیے باقاعدہ وظائف جاری کیے۔ حضرت عمرؓ نومولود بچوں کا وظیفہ اس وقت تک جاری نہیں کرتے تھے جب تک وہ دودھ نہیں چھوڑتے تھے۔ لوگوں نے قبل از وقت بچوں کا دودھ چھڑانا شروع کر دیا۔ جب انھیں خبر ملی تو انھوں نے فوراً اپنے منادی سے اعلان کروا دیا کہ لوگ بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلد بازی نہ کریں۔ اب ہر بچے کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا ہے[3]۔

---

[1] الامارۃ الاسلامیہ ص ۱۵۴۔ [2] ایضاً ص ۱۵۱ [3] ایضاً ص ۱۰۵۔

جن ملازمینِ حکومت کو عذر لاحق ہوگیا اور وہ از کار رفتہ ہوگئے ہوں حکومت کی جانب سے ان کی دیکھ بھال اور امداد و اعانت کا انتظام کیا جائے گا حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے دیارِ شام کی طرف ایک فرمان جاری کیا تھا جس میں ایسے ملازمینِ حکومت کے متعلق معلومات کی فراہمی کا مطالبہ کیا تھا جو مفقود البصارت ہوں یا چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے ہوں یا فالج زدہ ہوں یا انھیں ایسا دائمی مرض لاحق ہوگیا ہو، جو اولئے نماز میں حارج ہوتا ہو۔ اس کے بعد انھوں نے من جانبِ حکومت ہر نابینا کیلئے ایک محافظ اور ہر دو دائم المرض شخصوں کے لیے ایک خادم کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔[1]

ذاتی کاروبار کی ممانعت | اسلامی حکومت کسی ملازم کو دورانِ ملازمت کسی قسم کا ذاتی کاروبار کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے پاس بہت سامان و اسباب جمع ہوگیا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس گھوڑوں کی کئی نسلیں ہوگئیں اور اُن کی منتشر زمینیں یکجا ہوگئیں اور ان کی تجارت بھی خوب چمکی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: حضرت اس مال میں سے آپ اپنا رأس المال اور اپنی تنخواہ قابو کریں اور باقی پورے کا پورا بیت المال کے حوالے کردیں۔[2]

سرکاری اشیاء کا ذاتی تصرف | ملازمین سرکاری اشیاء کو ذاتی تصرف میں لانے کے مجاز نہیں ہیں۔ قلم و کاغذ سے لے کر حکومت کی گاڑیوں اور ذرائع نقل و حمل تک کسی چیز سے اپنی ذات کے لیے انتفاع نہیں کرسکتے۔ سرکاری اشیاء دراصل قوم کی امانت ہوتی ہیں اور ان کو صرف قوم کے مفاد و مقاصد میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اگر محکمۂ ڈاک کا کوئی ملازم ڈاک کی گاڑیوں کو غیر سرکاری کام کے لیے استعمال کرتا ہے تو وہ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں اسی بحث پر گفتگو کرتے ہوئے یہ واقعہ درج کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک غلام بلا اجازت ڈاک کے جانور پر ایک شخص کو سوار کرکے لے آیا تو آپ نے اُسے بلایا اور کہا کہ جب تک تو اس کا کرایہ بیت المال میں جمع نہیں کرے گا یہاں سے نہیں جا سکتا۔

"مُسرف خزینے" کا استیصال | عمرؓ بن عبدالعزیز عاملِ یمن کو لکھتے ہیں:-

---

[1] الادارۃ الاسلامیہ نکرہ علی ص ۔۔ [2] ایضاً ص ۳۹

"میں اگر تجھے حکم دوں کہ تو مسلمانوں کی ظلم و زیادتی کی شکایات کا جواب دے تو کیا تو میری طرف مراجعت کی ضرورت محسوس کرے گا۔ نہ بُعدِ مسافت کا خیال کرے گا اور نہ موت کے حادثات کا۔ حتیٰ کہ اگر میں لکھوں کہ فلاں مسلمان کی ظلم سے لی ہوئی بکری واپس کر تو کیا تو مجھے لکھ بھیجے گا کہ سفید دوں یا کالی دوں؟ ـــــ یاد رکھ شکایات کا فیصلہ وہیں کرلے میری طرف بار بار رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔"

اسی انداز کا ایک نامہ کوفہ کے عامل کو لکھتے ہیں:

"میرا خیال ہے کہ اگر میں تجھے لکھوں کہ فلاں آدمی کو ایک بکری دے تو تو مجھے لکھے گا کہ نر دوں یا مادہ۔ اگر میں لکھ بھیجوں کہ کوئی ایک دے دے، تو تو پھر یہ پوچھنے لگے گا کہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ اگر میں جواب دوں: "کوئی ایک ہو" تو پھر ایک خط دوڑائے گا کہ بھیڑ ہو یا بکری؟ جب میں نے ایک بار لکھ دیا کہ ایسا کر، تو اپنی صوابدید پر اس کی تعمیل کر۔ میری طرف بار بار رجوع کرنے کی حاجت نہیں۔"

ارکانِ حکومت اور عام شہریوں میں قانونی مساوات | اسلامی ریاست ہر شہری کو بڑے سے بڑے عہدیدار کے خلاف بھی اس کی ظلم و زیادتی پر قانونی چارہ جوئی کا غیر مشروط حق دیتی ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی عدالتی و قانونی تفریق روا نہیں رکھتی۔ عدالت و قضاء کے جو آداب و ضوابط ایک شہری پر لاگو ہوتے ہیں، ریاست کا حاکمِ اعلیٰ بھی اُن کا اُسی طرح سے پابند ہے اور کوئی سیاسی مصلحت اور حکمت قبول نہیں کی جاتی۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ایک بار انھوں نے حج کے موقعہ پر تمام عُمّال کو جمع کیا۔ مجمع کے اندر عام لوگ موجود تھے۔ آپ نے کھڑے ہو کر عام لوگوں سے دریافت کیا کہ تم میں سے کسی کو کسی عامل کے خلاف کوئی شکایت ہو تو وہ اٹھ کر بیان کرے۔ راوی کا بیان ہے کہ اتنے بڑے مجمع میں سے صرف ایک شخص اٹھا اور اس نے شکایت کی کہ امیرالمومنین، آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُسے اجازت دی کہ وہ عامل سے اپنا قصاص لے لے۔ یہ سُن کر حضرت عمرو بن العاص لپکے

کہ امیرالمومنین، اگر آپ نے حکّام کے خلاف یہ دروازہ کھول دیا تو ان کے لیے یہ چیز بہت ناگوار ہو گی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اُن کی کوئی توجیہ تسلیم نہ کی اور فرمایا کہ میں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کو قصاص کے لیے پیش فرماتے دیکھا ہے تو ان سے کیونکر قصاص نہ دلواؤں۔ بالآخر مدّعی نے خود ہی دو سو دینار لے کر قصاص کو معاف کر دیا ورنہ حضرت عمرؓ اُس کے حق کو دلوانے پر تُلے ہوئے تھے۔

خلافتِ راشدہ کے دَور میں اس طرح کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ حتیٰ کہ خود خلفاء عام شہریوں کے برابر عدالت کے کٹہرے میں حاضر ہوتے دیکھے گئے اور اُن پر عام شہریوں کی جانب سے دائر کردہ مقدمات قائم ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالعموم کہا کرتے تھے کہ "جس پر کسی عامل نے ظلم کیا ہو وہ میرے پاس آئے تاکہ میں اُس کا قصاص اُسے دلواؤں"۔

سفارش اور اقربا نوازی سے اجتناب

ملکی نظم و نسق کو تباہ و برباد کرنے میں سفارش اور اقربا نوازی سے بڑھ کر شاید ہی کوئی بیماری ہو۔ اسلام کارکنانِ حکومت کے اندر جن اعلیٰ صفات کو دیکھنے کا خواہشمند ہے ان میں سے مقدم صفات نظم و نسق کو سفارش کی دراندازی سے پاک رکھنا اور سرکاری اموال سے خویش و اقارب کے ہاتھ رنگنے سے احتراز کرنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے ایک بار حضرت عمرؓ سے سفارش کی کہ اپنے عراق کے عامل کے نام ایک سفارشی چٹھی لکھ دیں کہ کچھ لوگ عراق میں رہتے ہیں وہ اُن کی خاص طور پر آؤ بھگت کرے۔ حضرت عمرؓ نے اُسے سخت ڈانٹا اور کہا: کیا تو لوگوں پر ظلم کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے۔ عامل بھی مسلمانوں ہی کا ایک فرد ہے، اُسے بھی وہی کچھ میسّر ہے جو دوسروں کو میسّر ہے۔" حضرت علیؓ اشتر نخعی کو مصر کی جانب روانہ کرتے وقت نصیحت کرتے ہیں "عمّال کی کارروائیوں پر کڑی نگاہ رکھنا کسی عامل کو دوستی اور غرض مندی کی بنا پر مقرر نہ کرنا بلکہ امتحان اور آزمائش کے ذریعے سے اُس کا انتخاب کرنا"۔ حضرت معاویہؓ کو اطلاع پہنچی کہ ان کے بھانجے عبدالرحمٰن بن ام الحکم نے، جو کوفہ پر عامل تھا، اپنی امارت میں بدکرداری کا ثبوت دیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے اُسے فوراً بیک بینی و دو گوش مسندِ حکمرانی سے نکال باہر کیا۔ ہادی باللہ نے اپنے مختصر سے دورِ حکومت میں اپنی ماں خیزران کو سختی سے منع کر رکھا تھا کہ وہ امورِ مملکت میں کوئی دخل نہ دے اور اہلِ غرض کی مطلب برآریوں سے

سے اسے معاف رکھے۔

رشوت ستانی سے احتراز | اسلام کا پاکیزہ اور خدا پرستانہ نظام اس چیز سے بہت بالا ہے کہ اس کے کارکن رشوت ستانی اور خیانت کی لعنت میں مبتلا ہوں۔ اور نہ صرف دنیا میں عبرت ناک عقوبت کے سزاوار ٹھہریں بلکہ عاقبت میں ان کے لیے جہنم نار کے سوا کوئی ٹھکانہ نہ ہو۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الراشی والمرتشی کلاھما فی النار — رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنم کا ایندھن ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رشوت لینے والے، رشوت دینے والے اور رشوت کی دلالی (الرائش) کرنے والے تینوں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعنۃ اللہ علی الراشی والمرتشی فی الحکم۔ — فیصلوں میں رشوت کا لین دین کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔

رشوت ستانی کے ساتھ اسلام نے وہ "چور دروازے" (منافذ التحایل) بھی بند کر دیئے جو اس ام الخبائث کے در آنے کے امکانات پیدا کر سکتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمال اور حکام کے لیے ہدایا کو بھی خیانت میں شمار کیا ہے (ہدایا العمال غلول)۔ ایک مشہور مقولہ ہے کہ "ادھر دروازے سے ہدیہ داخل ہوا اور ادھر کھڑکی سے امانت رخصت ہو گئی"۔ صحاح کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو اللتبیہ نامی ایک شخص کو قبیلہ ازد پر محصل مقرر کیا۔ جب وہ صاحب فارغ ہو کر واپس آئے اور حساب دینے لگے تو کہا کہ یہ بیت المال کا حصہ اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غصہ کے علامات طاری ہو گئے اور آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جو انتظام میرے سپرد فرمایا ہے اس میں تم میں سے بعض لوگوں کو میں جب کسی خدمت پر مقرر کرتا ہوں اور وہ اس سے فارغ ہو کر واپس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تمہارا (بیت المال) حصہ ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ ملا ہے۔ اگر ایسی ہی بات ہے

تو وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھے رہے کہ وہیں بیٹھے بیٹھے ان کے پاس ہدیے آجاتے"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ آپ ایسے کارکنوں پر سخت گرفت کرتے رہے جو دوران خدمت خوشحال ہو جاتے تھے۔ آپ کی گرفت سے حضرت ابو ہریرہؓ، عمرو بن العاصؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی نہیں بچ سکے۔ دوسری طرف ہم اسلامی حکومت کے ملازموں کے اندر بھی للّٰہیت اور اخلاص و خدا ترسی کے پاکیزہ جذبات موجزن دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ریاست کی خدمت کو زینتِ دنیا اور عیش و تنعّم کی خاطر کندھوں پر نہیں اٹھایا بلکہ اسے عین عبادت سمجھا اور پوری بے لوثی اور شانِ استغناء کے ساتھ اُس سے عہدہ برآ ہوئے۔ اور جس پاک دامنی کے ساتھ وہ اس نازک مقام میں داخل ہوئے تھے اسی پاک دامنی کے ساتھ اس سے نکلے اور اللہ کی رضامندی اور رحمت ان کے شاملِ حال تھی۔

سیوطیؒ نے حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں حضرت معاویہؓ کے مشہور سپہ سالار جنگ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے آرمینیا کے ایک شہر پر چڑھائی کی۔ اسلامی فوجیں ابھی راہ میں تھیں کہ اس شہر کے سرکردہ لوگ اور وہاں کے پوپ کا نمائندہ حبیب بن مسلمہ کے پاس آئے اور ہدایا و تحائف پیش کر کے صلح کی درخواست کی۔ حبیب بن مسلمہ نے صلح کی درخواست منظور کر لی اور ساتھ ایک خط اہلِ شہر کے نام لکھ دیا کہ "میں نے تمھارے تحائف قبول کر لیے ہیں اور انھیں تمھارے جزیہ میں شمار کر لیا ہے"

اطلاع:- تفہیم القرآن جلد اوّل (طبع سوم) از مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، جو عرصہ سے ختم تھی، محدود تعداد میں طبع ہو چکی ہے اور کاغذ کی کمیابی کے سبب صرف قسم سوم کا کاغذ ہی دستیاب ہو سکا ہے

ہدیہ عام جلد -/-/۱۵ - خصوصی جلد -/-/۱۸ محصولڈاک ۱۲/

اپنی فرمائش اس پتہ پر تحریر فرمائیں:- مکتبۂ تعمیر انسانیت - موچی دروازہ - لاہور